صَدَقَةُ الفِطْرِ

زَكَاءُ القُلُوبِ وَسَدُّ كُرْبَةِ المَكْرُوبِ

الشَّيْخُ عَبْدُ المَاجِدِ الكَشْمِيرِي

النَّاشر: مَكَ اكاديميَّة عربيَّة

الحمدُ للهِ الَّذي يُطَهِّرُ العِبادَ مِنَ الذُّنوبِ وَالأَوْزارِ، وَيُزَكِّي النُّفوسَ بِالطَّاعاتِ وَالأَبْرارِ، وَأَمَرَنا بِصِيامِ شَهرِ رَمَضانَ فَكَتَبَهُ عَلَى العِبادِ، وَشَرَعَ لَنا صَدَقَةَ الفِطرِ تَطهيرًا لِلصَّائِمينَ وَإِغناءً لِلفُقَراءِ وَالمِسكينِ يَومَ العِيدِ وَالإِفطارِ، وَأَنزَلَ فِي كِتابِهِ الحَكيمِ وَوَحيِهِ المُتلوِّ وَغَيرِ المُتلوِّ ما يَدُلُّ عَلى تَزكِيَةِ النُّفوسِ وَطَهارَةِ الأَسرارِ، فَقالَ سُبحانَهُ: ﴿قَدْ أَفْلَحَ مَنْ تَزَكّى﴾ فَالفَلاحُ كُلُّ الفَلاحِ لِمَن طَهَّرَ نَفسَهُ بِالإِيمانِ وَالصِّيَامِ وَالصَّدَقاتِ، وَخَتَمَ شَهرَهُ بِإِخراجِ صَدَقَةِ الفِطرِ إِتمامًا لِلنِّعَمِ وَتَكميلًا لِلطّاعاتِ.

رمضان المبارک کی طویل روحانی ریاضت جب اپنے اختتام کو پہنچتی ہے تو شریعت ایک نہایت لطیف اور بامعنی عبادت کے ذریعے اس ماہِ تربیت کو تکمیل عطا کرتی ہے، اور وہ ہے صدقۂ فطر۔ یہ محض ایک مالی ادائیگی نہیں بل کہ روزوں کے قصرِ عبادت کی آخری اینٹ اور رمضان کے مدرسۂ تربیت کی آخری ساعت ہے۔ گویا ایک مہینہ بندہ اپنے نفس کی تطہیر میں مصروف رہتا ہے، اور آخر میں زکات فطر اس عبادت پر مہرِ قبول ثبت کر دیتا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ انسان کی عبادت کامل نہیں ہوتی؛ اس میں کہیں غفلت کی دھول، کہیں لغزش کی خراش، اور کہیں زبان کی بے احتیاطی کا غبار رہ جاتا ہے۔ شریعت نے اس کمی کی تلافی کے لیے صدقۂ فطر کو مقرر فرمایا، تاکہ یہ روزے کے دامن سے چمٹی ہوئی کوتاہیوں کو جھاڑ دے اور اس کے چہرے کو طہارت کی تازگی عطا کر دے۔ یوں کہا جا سکتا ہے کہ صدقۂ رمضان روزے کے بدن پر طہارت کا آخری غسل اور عبادت کے آئینے پر صفائی کی آخری جلا ہے۔

مگر اس عبادت کا دائرہ صرف فرد تک محدود نہیں رہتا؛ اس کے اندر ایک گہرا سماجی راز بھی پوشیدہ ہے۔ عید کا دن اگرچہ خوشی اور مسرت کا دن ہے، لیکن اسلام نہیں چاہتا کہ یہ خوشی صرف اہلِ ثروت کے گھروں تک محدود رہے اور محتاجوں کے دل حسرت کے اندھیرے میں ڈوبے رہیں۔ اسی لیے صدقۂ فطر کو عید سے پہلے واجب کیا گیا، تاکہ محتاج کے چولہے میں بھی آگ جلے، اس کے بچوں کے چہروں پر بھی مسکراہٹ آئے، اور عید کی صبح جب طلوع ہو تو وہ سب کے لیے یکساں شادمانی کی صبح ہو۔ گویا صدقۂ فطر عید کی خوشیوں کا دروازہ سب کے لیے کھول دیتا ہے اور مسرت کے دسترخوان کو امیر و فقیر سب کے سامنے بچھا دیتا ہے۔

درحقیقت یہ عبادت فرد کی روحانی پاکیزگی اور معاشرے کی اجتماعی ہمدردی کے درمیان ایک حسین پل ہے۔ ایک طرف یہ روزے کی خامیوں کو ڈھانپتی ہے اور دوسری طرف غربت کے زخموں پر مرہم رکھتی ہے؛ ایک جانب یہ عبادت کی عمارت کو مکمل کرتی ہے اور دوسری جانب اخوت و مواسات کی شمع کو روشن کرتی ہے۔ اس طرح صدقۂ فطر گویا رمضان کی عبادت کا حسنِ اختتام اور معاشرتی ہمدردی کا دل آویز اعلان ہے۔

پس اگر غور کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ صدقۂ فطر محض چند دانوں یا درہموں کی ادائیگی نہیں بل کہ اس کے اندر حکمتوں کا ایک خاموش خزانہ اور اسرار کا ایک روشن جہان پوشیدہ ہے:

یہ روزے کی کمی کا جبران بھی ہے اور دلوں کی دوری کا درمان بھی،یہ عبادت کی تکمیل بھی ہے اور انسانیت کی تکریم بھی، یہ رمضان کی بندگی کا اختتام بھی ہے اور عید کی خوشیوں کا آغاز بھی۔ لہذا احکام کو سمجھنے اور بعد ازاں ان پر عمل کرنا ضروری ہے۔

دلیلِ وجوبِ صدقۂ فطر

صدقۂ فطر کے وجوب پر قرآنِ کریم سے اشارتا، سنتِ نبویہ صراحتاً اور اجماعِ امت سے وضاحتا دلائل موجود ہیں۔ قرآنِ کریم میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿قَدْ أَفْلَحَ مَنْ تَزَكَّى﴾

مفسرین نے اس آیت کے مفہوم میں صدقۂ فطر کو بھی شامل قرار دیا ہے۔ چناں چہ مفسرین کے اقوال میں منقول ہے: وَقَالَ مَعْمَرٌ عَنْ قَتَادَةَ: تَزَكَّى قَالَ: بِعَمَلٍ صَالِحٍ، وَعَنْهُ وَعَنْ عَطَاءٍ وَأَبِي الْعَالِيَةِ: نَزَلَتْ فِي صَدَقَةِ الْفِطْرِ. (تفسير القرطبي)

عَنْ كَثِيرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ جَدِّهِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ سُئِلَ عَنْ هَذِهِ الْآيَةِ، فَقَالَ: نَزَلَتْ فِي زَكَاةِ الْفِطْرِ. رَوَاهُ ابْنُ خُزَيْمَةَ

اسی مضمون کی تائید محدثین نے بھی کی ہے۔ چناں چہ فتح الباری میں منقول ہے: وَرَدَ أَنَّ آيَةَ ﴿قَدْ أَفْلَحَ مَنْ تَزَكَّى﴾ نَزَلَتْ فِي زَكَاةِ الْفِطْرِ.

اسی طرح بعض آثار میں اس آیت کو صدقۂ فطر کے ساتھ صراحتاً جوڑا گیا ہے۔ چناں چہ روایت ہے: عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يَقُولُ: «قَدْ أَفْلَحَ مَنْ تَزَكَّى، وَذَكَرَ اسْمَ رَبِّهِ فَصَلَّى» ثُمَّ يُقَسِّمُ الْفِطْرَةَ قَبْلَ أَنْ يَغْدُوَ إِلَى الْمُصَلَّى يَوْمَ الْفِطْرِ. (أخرجه ابن مردويه)

اسی طرح حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے منقول ہے: إِنَّمَا نَزَلَتْ هٰذِهِ الْآيَةُ فِي إِخْرَاجِ صَدَقَةِ الْفِطْرِ قَبْلَ صَلَاةِ الْعِيدِ:﴿قَدْ أَفْلَحَ مَنْ تَزَكَّى. وَذَكَرَ اسْمَ رَبِّهِ فَصَلَّى﴾ (أخرجه ابن مردويه و البيهقي)

۱.۲ قرآن کے بعد سنتِ نبویہ میں بھی صدقۂ فطر کے وجوب کی صریح دلیل موجود ہے۔ چناں چہ صحیح بخاری میں روایت ہے: أنَّ رَسولَ اللَّهِ ﷺ فَرَضَ زَكاةَ الفِطْرِ صاعًا مِن تَمْرٍ، أوْ صاعًا مِن شَعِيرٍ على كُلِّ حُرٍّ، أوْ عَبْدٍ ذَكَرٍ أوْ أُنْثى مِنَ المُسْلِمِينَ.

اسی طرح صحیح مسلم میں ہے: أنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ أَمَرَ بِإِخْرَاجِ زَكَاةِ الْفِطْرِ، أَنْ تُؤَدَّى قَبْلَ خُرُوجِ النَّاسِ إِلَى الصَّلَاةِ.

۱.۳ اس مسئلہ پر اہلِ علم سے اجماع بھی منقول ہے۔ چناں چہ امام ابن المنذر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: أجمعوا على أنَّ صدقةَ الفطرِ تجبُ على المرءِ إذا أمكنه أداؤها. دوسری جگہ وأجمعوا على أنَّ صدقةَ الفطرِ فرضٌ. (الإجماع)

اسی طرح ابن رشد، ابن قدامہ اور امام نووی رحمہم اللہ نے بھی اس کے وجوب پر اجماع نقل کیا ہے۔

ان تمام دلائل سے واضح ہوتا ہے کہ صدقۂ فطر شریعتِ اسلامیہ کی ایک واجب عبادت ہے جس کا اشارتاً ثبوت قرآن اور سنت اور اجماعِ امت سے ثابت ہے، اور جس کا مقصد رمضان المبارک کے روزوں کی تکمیل اور معاشرے کے محتاج افراد کی اعانت ہے۔

وجهُ تعبيرِ الأحنافِ عنه بالوجوب: قرآن سے استدلال کے ثبوت پر کہیں تضعیف اور کہیں عمومی معنی کی جاری ہونے کی وجہ سے استدلال میں تشکیک جو استدلال کو مضمحل کرتا سببہ فرض کے بجائے وجوب سے تعبیر کیا گیا چوں کہ عمل میں فرق نہیں یہ حد درجہ احتیاط کی وجہ اصولین نے اسے واجب سے تعبیر کیا گیا۔ اصولین استدلال کی بحث قدما کی معلقات میں دیکھی جاسکتی ہے۔

وإنما عَبَّرَ أصحابُنا عن صدقةِ الفطرِ بالوجوبِ دون الفرضِ؛ لأنَّ ما يُستدلُّ به من الكتابِ على فرضيَّتِها لم يَسلَمْ عندَهم من مقالٍ: إمَّا من جهةِ الثبوتِ، وإمَّا من جهةِ جريانِ اللفظِ على معنىً عامٍّ لا يَتعيَّنُ فيه محلُّ النزاعِ، فاعترَى الاستدلالَ بذلك نوعُ وهنٍ يمنعُ إلحاقَه بدلائلِ الفرضِ. فلذلك آثروا عبارةَ الوجوبِ احتياطًا في الإطلاقِ، لا فرقًا في لزومِ العملِ؛ إذ الواجبُ عندَهم كالفَرضِ في استحقاقِ الامتثالِ ولزومِ الأداءِ، وإنما افترقا في قُوَّةِ المُثبِتِ ومرتبةِ الدليلِ. ومن تأمَّلَ كلامَ المتقدّمين في مباحثِ الأدلةِ ووجوهِ التعلّقِ، ظهرَ له مأخذُ هذا الاصطلاحِ، وأنه جارٍ على قانونِ التحرزِ في العبارةِ والتحفّظِ في نسبةِ الأحكامِ إلى مراتبِ الأدلّةِ.

اسرار صدقۂ فطر

صدقۂ فطر دراصل روزے کی عبادت کا جبرانِ خلل اور رمضان کی ریاضت کا حسنِ اختتام ہے، یہ بندے کی لغزشوں کی گرد کو جھاڑ کر صوم کے چہرے کو طہارت کی تازگی عطا کرتا ہے۔ یہ عید کی مسرت کو صرف اغنیا تک محدود نہیں رہنے دیتا بل کہ محتاج کے چولہے میں بھی خوشی کی آگ روشن کر دیتا ہے۔ یوں صدقۂ فطر عبادت کے قصر کی آخری

لینٹ اور اخوت و مواسات کے چراغ کی پہلی لو بن جاتا ہے۔ گویا یہ روزے کی تکمیل بھی ہے اور معاشرے کی تسکین بھی، بندگی کی مہر بھی ہے اور انسانیت کی بہار بھی۔

مقدار صدقۂ فطر: صدقۂ فطر کی اصل مقدار احادیثِ صحیحہ سے ایک صاع ثابت ہے، جیسا کہ کھجور، جو، کشمش اور اقط وغیرہ کے بارے میں صریح روایات موجود ہیں۔ البتہ گندم (بُر/قمح) میں نصف صاع کے بارے میں بھی متعدد روایات، آثارِ صحابہ اور تعاملات منقول ہیں۔ اس لیے اس باب میں تحقیق کا منہج یہ ہے کہ اصل نصوص، آثارِ صحابہ، اور ائمۂ حدیث کی تصریحات سب کو ساتھ رکھ کر کلام کیا جائے۔ **وَنِصْفُ الصَّاعِ عِنْدَ الْقَائِلِينَ بِهِ يُعَادِلُ صَاعًا عِنْدَ الْقَائِلِينَ بِزِيَادَةِ قَدْرِ الصَّاعِ. وَهَذَا هُوَ التَّطْبِيقُ.**

مقدارِ صدقۂ فطر میں نصف صاعِ بُر کے دلائل

1: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت

خطب ابن عباس الناس في آخر رمضان فقال: يا أهل البصرة أدوا زكاة صومكم قال: فجعل الناس ينظر بعضهم إلى بعض قال: من هنا من أهل المدينة قوموا فعلموا إخوانكم فإنهم لا يعلمون أن رسول الله فرض صدقة رمضان نصف صاع من بر أو صاعا من شعير أو صاعًا من تمر على العبد والحر والذكر والأنثى. (عن الحسن البصرى: أخرجه: أبو داود (١٦٢٢)، وأحمد (٣٢٩١) واللفظ له.)

قال أحمد شاكر: إسناده صحيح

ترجمہ:حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے رمضان کے آخری دنوں میں لوگوں سے خطاب کیا اور فرمایا: ”اے اہلِ بصرہ! اپنے روزوں کی زکاۃ ادا کرو۔“ راوی کہتے ہیں کہ لوگ ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگے۔

پھر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: ”یہاں جو اہلِ مدینہ موجود ہیں، وہ اٹھیں اور اپنے بھائیوں کو سکھائیں، کیونکہ یہ لوگ نہیں جانتے کہ رسول اللہ ﷺ نے صدقۂ رمضان غلام اور آزاد، مرد اور عورت پر آدھا صاع گیہوں یا ایک صاع جو یا ایک صاع کھجور فرض کیا ہے۔“

یہ روایت نصف صاعِ بُر کے باب میں نہایت اہم ہے، کیونکہ احمد شاکر نے اس کی سند کو صحیح قرار دیا ہے۔

2: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما ہی کی دوسری روایت

أن ابن عباس خطب بالبصرة، فقال أدوا زكاة صومكم فجعل الناس ينظر بعضهم إلى بعض فقال من هاهنا من أهل المدينة قوموا إلى إخوانكم فعلموهم فإنهم لا يعلمون أن رسول الله ﷺ فرض صدقة الفطر على

الصغير والكبير والحر والعبد والذَّكر والأنثى نصف صاع من بر أو صاعًا من تمر أو شعير. (أخرجه: النسائي (١٥٨٠) واللفظ له، وأبو داود (١٦٢٢)، وأحمد (٣٢٩١)) قال الألباني: صحيح المرفوع منه

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بصرہ میں خطبہ دیا اور فرمایا: "اپنے روزوں کی زکاۃ ادا کرو۔" پھر لوگ ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگے۔

اس پر انہوں نے فرمایا: "یہاں جو اہلِ مدینہ موجود ہیں، وہ اٹھیں اور اپنے بھائیوں کو سکھائیں، کیونکہ یہ لوگ نہیں جانتے کہ رسول اللہ ﷺ نے صدقۂ فطر چھوٹے اور بڑے، آزاد اور غلام، مرد اور عورت پر آدھا صاع گیہوں یا ایک صاع کھجور یا ایک صاع جو فرض کیا ہے۔"

یہ روایت پہلی روایت کی تائید کرتی ہے، اور البانی نے اس کے مرفوع حصے کو صحیح قرار دیا ہے۔

3- قال الزهري : قال عبد الله بن ثعلبة : خطب رسول الله ﷺ فذكره وقال : في القمح بين اثنين وخالفهم معمر فرواه عن الزهري، عن عبد الرحمن بن هرمز، عن أبي هريرة موقوفاً عليه ثم قال بلغني أن الزهري كان يرفعه- (سنن الكبرى)

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ نے خطبہ دیا، پھر اسی مضمون کو ذکر کیا، اور فرمایا: "گندم میں دو آدمیوں کی طرف سے (ایک صاع) ہے" یعنی ہر ایک کی طرف سے نصف صاع۔

امام زہری رحمہ اللہ سے یہ مرفوعا مروی ہے ۔

4: حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ کا اثر

عن الحسن أنَّ مَرْوانَ بَعَثَ إلى أبي سعيدٍ: أنِ ابعَثْ إليَّ بزكاةِ رَقيقِكَ، فقال أبو سعيدٍ للرَّسولِ: إنَّ مَرْوانَ لا يَعلَمُ، إنَّما علينا أنْ نُعطيَ لكلِّ رأسِ عبدٍ، كلَّ فِطرٍ صاعًا مِن تَمرٍ، أو نَصفَ صاعٍ مِن بُرٍّ. أخرجه: الطحاوي في مشكل الآثار (٣٤٠٦) - قال شعيب الأرنؤوط: رجاله ثقات

ترجمہ: حسن رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ مروان نے حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ کے پاس پیغام بھیجا کہ اپنے غلاموں کی زکات میری طرف بھیجیں۔ اس پر حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ نے قاصد سے کہا: "مروان اس مسئلہ کو نہیں جانتا، ہم پر تو یہ لازم ہے کہ ہر غلام کی طرف سے ہر عیدالفطر میں ایک صاع کھجور یا آدھا صاع گیہوں دیا جائے۔"

(اس کے رجال ثقہ ہے)

5: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ: الصَّدَقَةُ صَاعٌ مِنْ تَمْرٍ، أَوْ نِصْفُ صَاعٍ مِنْ طَعَامٍ. وَأَرَادَ هَاهُنَا الْبُرَّ؛ إِذِ الْوَاجِبُ فِي غَيْرِهِ صَاعٌ، إِلَّا فِي الْبُرِّ.

ترجمہ:حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: صدقۂ فطر ایک صاع کھجور ہے، یا آدھا صاع طعام۔ یہاں طعام سے مراد گیہوں ہے، کیونکہ گیہوں کے علاوہ دوسری اشیاء میں واجب مقدار ایک صاع ہے، جبکہ گیہوں میں آدھا صاع کافی قرار دیا گیا ہے۔

6: ائمۂ حدیث کے نقل کردہ آثارِ صحابہ

وَرُوِينَا فِي جَوَازِ نِصْفِ صَاعٍ مِنْ بُرٍّ فِي صَدَقَةِ الْفِطْرِ عَنْ أَبِي بَكْرٍ الصِّدِّيقِ، وَعُثْمَانَ بْنِ عَفَّانَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُم، وَجَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ، وَأَبِي هُرَيْرَةَ، وَفِي إِحْدَى الرِّوَايَتَيْنِ عَنْ عَلِيٍّ وَابْنِ عَبَّاسٍ.(البيهقي)

ترجمہ:اور ہم نے صدقۂ فطر میں آدھا صاع گیہوں کے جواز کے بارے میں حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عثمان بن عفان، حضرت جابر بن عبداللہ اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہم سے روایت کیا ہے، اور ایک روایت میں حضرت علی اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی یہ منقول ہے۔

یہ عبارت اس بات کی قوی شہادت ہے کہ نصف صاعِ بُر کا قول صحابۂ کرام کے ایک گروہ سے منقول ہے۔

اس کے بعد وہ روایات جن میں کلام ہے۔

7: نصف صاعِ بُر کو قائم مقام قرار دیا

فَرَضَ النبيُّ صَدَقَةَ الفِطْرِ – أو قال: رَمَضانَ – على الذَّكَرِ، والأنثى، والحُرِّ، والمملوكِ، صاعًا مِن تَمرٍ، أَوْ صاعًا مِن شَعيرٍ، فَعَدَلَ النَّاسُ به نِصفَ صاعٍ مِن بُرٍّ.

ترجمہ:نبی کریم ﷺ نے صدقۂ فطر، یا راوی نے کہا: رمضان کا صدقہ، مرد، عورت، آزاد اور غلام سب پر ایک صاع کھجور یا ایک صاع جو مقرر فرمایا، پھر لوگوں نے اس کے بدلے آدھا صاع گیہوں کو کافی قرار دیا۔

تنبیہ: ان لوگوں میں حضرت ابو بکر صدیق ،حضرت عمر ، حضرت عثمان، حضرت علی (خلفاء الراشدین) سے نیز بعض ضعیف روایت میں نبی ﷺ سے بھی نصف صاع منقول ہے اس طرح ابو سعید خدری ، حضرت جابر ،حضرت ابو ہریرہ رضوان اللہ علیہم اجمعین اور حسن درجہ کی روایت من ترمذی سے حضرت معاویہ سے بھی ثابت ہے۔

مقدار صاع : صاع کی مقدار کے باب میں یہ پیمائش، جو 3 کلوگرام، 149 گرام، 280 ملی گرام کے برابر ہے، اور شیخ ابن باز رحمہ اللہ کے بیان کردہ وزن سے زیادہ ہے۔ (وهو بالوزن ما يقارب ثلاثة كيلو غرام) برصغیرِ ہند میں بھی بالعموم یہی مقدار رائج اور متعارف ہے، اور جانبِ احتیاط بھی اسی میں ہے کہ اسی زائد مقدار کو اختیار کیا جائے۔
وَنِصْفُ الصَّاعِ عِنْدَ الْقَائِلِينَ بِهِ يُعَادِلُ صَاعًا عِنْدَ الْقَائِلِينَ بِزِيَادَةِ قَدْرِ الصَّاعِ. وَهَذَا هُوَ التَّطْبِيقُ

وقت وجوب صدقۂ فطر:

صدقۂ فطر کا تعلق اگرچہ رمضان المبارک کے اختتام سے ہے، لیکن اس کا وجوب فقہاء کے نزدیک یومِ فطر کی صبح صادق کے ساتھ متعلق ہوتا ہے۔ چناں چہ جو شخص طلوعِ فجرِ یوم الفطر کے وقت زندہ ہو اور وجوب کے شرائط پائے جائیں، اس پر صدقۂ فطر واجب ہوگا۔ اسی بنا پر اگر کوئی بچہ فجرِ عید سے پہلے پیدا ہو تو اس کی طرف سےصدقۂ فطر ادا کیا جائے گا، اور اگر کوئی شخص فجر سے پہلے وفات پا جائے تو اس پر صدقۂ فطر واجب نہ ہوگا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وجوب کا اصل وقت رمضان کاآخری غروب نہیں بل کہ صبحِ عید ہے، اگرچہ ادائیگی کی گنجائش اس سے پہلے بھی رکھی گئی ہے۔

وعندَ الحنفيَّةِ يَتَعَلَّقُ وُجوبُ صدقةِ الفطرِ بطلوعِ فجرِ يومِ العيد، وعندَ الشافعيَّةِ بغروبِ شمسِ آخرِ يومٍ من رمضان. والتطبيقُ بين القولين: أنَّ الغروبَ أوَّلُ زمنِ التعلُّق، والفجرَ أوضحُ زمنِ التحقُّق. فإن قيل: إذا فاتَ يومُ العيدِ لَزِمَ أن يَسقُطَ الوجوبُ، قيل: ليس كذلك، بل لا يسقطُ الواجبُ بفواتِ وقتِ الأداء، كما لا تسقطُ صلاةُ العصرِ بخروجِ وقتِها، بل تبقى في الذمَّةِ قضاءً. هذا التطبيق عندى. والله اعلم .

احناف کے نزدیک صدقۂ فطر کا وجوب یومِ عید کے طلوعِ فجر سے ثابت ہوتا ہے، اور شافعیہ کے نزدیک رمضان کے آخری دن کے غروبِ آفتاب سے۔ دونوں قولوں میں تطبیق کی صورت یہ ہے کہ غروب کو تعلقِ وجوب کے ابتدائی وقت پر محمول کیا جائے، اور فجر کو تحققِ وجوب کے زیادہ واضح اور کامل وقت پر۔ پھر اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ جب عید کا دن گزر گیا تو وجوب بھی ساقط ہو جانا چاہیے، تو جواب یہ ہے کہ یہ لازم نہیں آتا، اس لیے کہ واجب اپنے وقتِ ادا کے فوت ہو جانے سے ساقط نہیں ہوتا، جیسے نمازِ عصر اپنے وقت کے نکل جانے سے ساقط نہیں ہوتی، بلکہ قضا کی صورت میں ذمہ میں باقی رہتی ہے۔

اس وجوب کے بعد شریعت نے ادائے صدقۂ فطر کے لیے یہ ہدایت دی ہے کہ اسے نمازِ عید سے پہلے ادا کیا جائے، تاکہ محتاج لوگ عید کے دن سوال اور محرومی سے محفوظ رہیں اور عید کی خوشی میں شریک ہو سکیں۔ اسی لیے نبی کریم

ﷺ کا واضح ارشاد ہے: أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ أَمَرَ بِإِخْرَاجِ زَكَاةِ الْفِطْرِ، أَنْ تُؤَدَّى قَبْلَ خُرُوجِ النَّاسِ إِلَى الصَّلَاةِ. (صحيح مسلم)

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ نے صدقۂ فطر ادا کرنے کا حکم دیا، اور یہ کہ اسے لوگوں کے نماز کے لیے نکلنے سے پہلے ادا کیا جائے۔

یہ حدیث اس باب میں اصل ہے کہ صدقۂ فطر کا وقتِ افضل نمازِ عید سے پہلے ہے۔ اسی مضمون کو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث اور زیادہ صراحت کے ساتھ بیان کرتی ہے: مَنْ أَدَّاهَا قَبْلَ الصَّلَاةِ فَهِيَ زَكَاةٌ مَقْبُولَةٌ، وَمَنْ أَدَّاهَا بَعْدَ الصَّلَاةِ فَهِيَ صَدَقَةٌ مِنَ الصَّدَقَاتِ.(أبو داود، ابن ماجه)

ترجمہ: جس نے صدقۂ فطر کو نماز سے پہلے ادا کیا، وہ مقبول زکات ہے، اور جس نے اسے نماز کے بعد ادا کیا، وہ عام صدقات میں سے ایک صدقہ ہے۔

اس حدیث سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اگرچہ اصل فرض ساقط ہو جاتا ہے، لیکن نمازِ عید سے پہلے ادا کرنا ہی سنت، افضل اور مقصودِ شریعت ہے، کیونکہ اسی صورت میں یہ "زكاة مقبولة" کے وصف کے ساتھ ادا ہوتی ہے۔ نماز کے بعد ادا کرنے کی صورت میں ادائیگی تو ہو جاتی ہے، مگر وہ اس فضیلت اور مقصودِ شرعی سے محروم رہتی ہے۔

البتہ شریعت نے محض اسی ایک وقت پر اکتفا نہیں کیا، بل کہ ضرورت اور مصلحت کے پیشِ نظر اس کی تقدیم کی بھی اجازت دی ہے۔ چناں چہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے صحیح بخاری میں منقول ہے: كَانُوا يُعْطُونَ قَبْلَ الْفِطْرِ بِيَوْمٍ أَوْ يَوْمَيْنِ.(صحيح البخاري)

ترجمہ: اور وہ لوگ عیدالفطر سے ایک یا دو دن پہلے صدقۂ فطر ادا کر دیا کرتے تھے۔

یہ روایت نہایت اہم ہے، کیونکہ اس سے صحابۂ کرام کا عملی تعامل ثابت ہوتا ہے کہ وہ صدقۂ فطر کو عید سے ایک یا دو دن پہلے ادا کرتے تھے۔ اس سے معلوم ہوا کہ اگرچہ وجوب کا تعلق صبحِ عید سے ہے، مگر ادائیگی کی تقدیم رمضان کے آخری ایک دو دن میں جائز ہے، بل کہ صحابہ کے تعامل سے ثابت ہے۔ یہی وجہ ہے کہ فقہاء نے اس تقدیم کو مستحسن قرار دیا ہے، تاکہ مستحقین تک مال بروقت پہنچ جائے اور وہ عید کی تیاری میں اسے استعمال کر سکیں۔

اس باب میں ایک اور حدیث بھی قابلِ ذکر ہے، جو صدقۂ فطر کی حکمت اور وقتِ اداء دونوں کو واضح کرتی ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے:

فَرَضَ رَسُولُ اللهِ ﷺ زَكَاةَ الْفِطْرِ طُهْرَةً لِلصَّائِمِ مِنَ اللَّغْوِ وَالرَّفَثِ، وَطُعْمَةً لِلْمَسَاكِينِ. (أبو داود)

ترجمہ : رسول اللہ ﷺ نے صدقۂ فطر کو روزہ دار کے لیے لغو اور بے ہودہ باتوں سے پاکیزگی کا ذریعہ اور مسکینوں کے لیے کھانے کا سامان قرار دیا۔

اس روایت کی روشنی میں بھی قبل از نماز ادائیگی کی حکمت واضح ہوتی ہے، کیونکہ جب اس کا ایک مقصد طُعمۃً للمساکین ہے تو مناسب یہی ہے کہ یہ مال عید سے پہلے یا کم از کم نمازِ عید سے پہلے ان کے ہاتھ میں پہنچ جائے، تاکہ وہ عید کے دن محتاجی اور سوال کی ذلت سے بچے رہیں۔

اس تمام بحث کا حاصل یہ ہے کہ صدقۂ فطر کا وقتِ وجوب طلوعِ فجرِ یوم الفطر ہے، وقتِ افضل نمازِ عید سے پہلے ہے، اور رمضان کے آخری ایک یا دو دن پہلے اس کی تقدیم بھی جائز اور صحابۂ کرام کے تعامل سے ثابت ہے۔ لہذا جو صورت ان تینوں نصوص و آثار کو جمع کرتی ہے، وہ یہی ہے کہ صدقۂ فطر کو عید سے ایک یا دو دن پہلے یا کم از کم صبحِ عید نماز سے پہلے ادا کر دیا جائے، تاکہ وجوب، فضیلت اور حکمت—تینوں مقاصد یکجا ہو جائیں۔

نصاب صدقۂ فطر

شریعت کی رو سے ہر اس مسلمان مرد و عورت پر صدقۂ فطر واجب ہے جس کے پاس قرض اور ضروری اسباب سے زائد اتنی مالیت کا مال یا سامان موجود ہو جو ساڑھے باون تولہ چاندی کی قیمت کے برابر یا اس سے زیادہ ہو۔ یہ مال خواہ تجارت کا ہو یا غیر تجارت کا، اور اس پر سال گزرنا بھی ضروری نہیں (یہی فرق ہے نصاب زکات اور نصاب صدقہ فطر میں)۔ ایسی صورت میں اس شخص پر عیدالفطر کے دن صدقۂ فطر ادا کرنا واجب ہوجاتا ہے۔ اس سے پہلے بھی ادا کر سکتا مگر ضروری نہیں، ہاں عید سے پہلے ادا نہیں کیا تو بھی اس کے ذمہ ادائیگیِ صدقۂ فطر باقی اور اس کو ادا کرنا ہی ہوگا بعدِ عید ہی سہی۔

جس طرح مال داری کی صورت میں مرد پر صدقۂ فطر واجب ہوتا ہے، اسی طرح اگر عورت صاحبِ نصاب ہو تو اس پر بھی اپنی طرف سے صدقۂ فطر ادا کرنا واجب ہے۔ تاہم مال دار عورت پر صرف اپنا صدقۂ فطر ادا کرنا واجب ہے، اس پر کسی اور کی طرف سے صدقۂ فطر ادا کرنا لازم نہیں، نہ بچوں کی طرف سے، نہ والدین کی طرف سے اور نہ شوہر کی طرف سے۔

البتہ مال دار مرد کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ اپنی طرف سے بھی صدقۂ فطر ادا کرے اور اپنی نابالغ اولاد کی طرف سے بھی۔ اگر نابالغ اولاد خود صاحبِ نصاب ہو تو ان کے مال سے صدقۂ فطر ادا کیا جائے گا، اور اگر وہ صاحبِ نصاب نہ

ہوں تو باپ اپنے مال سے ادا کرے گا۔ بالغ اولاد اگر صاحبِ نصاب ہو تو ان کی طرف سے صدقۂ فطر ادا کرنا باپ پر واجب نہیں، البتہ اگر وہ اپنی خوشی سے ادا کردے تو ادا ہوجائے گا۔

مصارف صدقۂ فطر

صدقۂ فطر کے مصارف وہی ہیں جو زکات کے مصارف ہیں۔ یعنی جہاں زکات دی جاسکتی ہے وہاں صدقۂ فطر بھی دیا جاسکتا ہے اور جہاں زکات دینا جائز نہیں وہاں صدقۂ فطر دینا بھی درست نہیں۔ اس لیے صدقۂ فطر کے اصل مستحق فقرا اور مساکین ہیں۔ اس سے کی طرف حدیث بھی اشارہ کرتی ہے۔ باقی مصارف کو جواز پر محمول کرتے ہے بہتر ہے۔ حدیث میں مساکین کی تخصیص ہے۔

صدقۂ فطر کی رقم سے مسجد، مدرسہ یا ہسپتال تعمیر کرنا جائز نہیں، بل کہ اسے کسی مستحق شخص کو مالک بنا کر دینا ضروری ہے۔ اسی طرح سادات کو صدقۂ فطر دینا بھی درست نہیں اور مفتی بہ قول کے مطابق غریب غیر مسلموں کو بھی صدقۂ فطر دینا جائز نہیں ہے کیونکہ صدقۂ واجبہ ہے، مگر اگر علاقے میں غریب عیر مسلم تو حکمت صدقۂ فطر کے تحت اس کی مدد بھی صدقۂ نافلہ سے مدد کرنی چاہیے۔والأمر فيه إليكم

جن کو صدقۂ فطر نہیں دے سکتے

یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ انسان اپنے ماں باپ، دادا دادی، نانا نانی اور اپنی اولاد یعنی بیٹوں، بیٹیوں، پوتوں، پوتیوں، نواسوں اور نواسیوں کو زکات یا صدقۂ فطر نہیں دے سکتا۔ نیز مفتی بہ قول پر میاں بیوی بھی ایک دوسرے کو زکات اور صدقۂ فطر نہیں دے سکتے۔ اگر روایت کیا گیا کہ بیوی شوہر کو دے سکتی ہے مگر یہ حال ت فقیر نادر ---۔ البتہ ان کے علاوہ خاندان کے وہ افراد جو مستحقِ زکات ہوں انہیں صدقۂ فطر دینا نہ صرف جائز بل کہ افضل ہے، کیونکہ اس میں دوہرا اجر حاصل ہوتا ہے: ایک صدقۂ فطر ادا کرنے کا اور دوسرا صلہ رحمی کا۔

مستحق سے مراد وہ شخص ہے جس کے پاس ساڑھے باون تولہ چاندی یا اس کی قیمت کے برابر مال موجود نہ ہو، یا اس کے پاس ضرورت سے زائد ایسا سامان نہ ہو جس کی مالیت اس مقدار تک پہنچتی ہو، اور وہ سید بھی نہ ہو۔ ایسا شخص زکات اور صدقۂ فطر دونوں کا مستحق ہوتا ہے۔

چند سوالات جو عموماً عوام میں پیدا ہوتے ہیں

ان سوالات کے جوابات دیانت، غیرتِ ایمانی اور شرعی انصاف کے ساتھ سمجھنے چاہییں۔ ذیل میں ان کے مختصر اور واضح جوابات درج کیے جاتے ہیں:

سوال: کیا بیوہ کو بھی صدقۂ فطر دیا جا سکتا ہے؟
جواب: جی ہاں، دیا جا سکتا ہے، **بشرطیکہ وہ مستحق ہو**۔ ہمارے معاشرے میں اکثر یہ دیکھا جاتا ہے کہ محض بیوہ ہونے کی وجہ سے اسے صدقۂ فطر کا لازمی مستحق سمجھ لیا جاتا ہے، حالاں کہ بسا اوقات وہ اپنے شوہر کی وارث ہوتی ہے اور اس کے پاس معقول آمدنی یا مال بھی موجود ہوتا ہے۔ اس لیے صحیح شرعی مسئلہ یہ ہے کہ **اگر وہ مستحق ہو تو اسے صدقۂ فطر دیا جا سکتا ہے، ورنہ نہیں**۔

سوال: کیا یتیم کو صدقۂ فطر دیا جا سکتا ہے؟
جواب: یہ مسئلہ بھی انصاف اور احتیاط کے ساتھ سمجھنے کی ضرورت ہے۔ **اگر یتیم مسکین اور شرعاً مستحق ہو تو اسے صدقۂ فطر دیا جا سکتا ہے**، لیکن اگر وہ مستحقین کی فہرست سے نکل چکا ہو، تو پھر اسے صدقۂ فطر دینا جائز نہیں۔
ہمارے یہاں عموماً یہ غلط فہمی پائی جاتی ہے کہ جو ایک بار یتیم ہو جائے وہ ہمیشہ مستحق ہی رہتا ہے، حالاں کہ ایسا ضروری نہیں۔

سوال: اگر صدقۂ فطر ادا کر دیا، پھر بعد میں معلوم ہوا کہ جسے دیا گیا وہ مستحق نہ تھا، تو کیا دوبارہ ادا کرنا ہوگا؟
جواب: اگر دینے والے نے غور و تحقیق کے بعد اسے مستحق سمجھ کر صدقۂ فطر دیا تھا، پھر بعد میں خلافِ واقعہ ظاہر ہوا، تو لوٹنے کی ضرورت ہے ، کیونکہ اس نے اپنے اجتہاد کے مطابق فرض ادا کیا۔ ، لیلکن اگر ذرا بھی تدبر نہیں کیا مصرف تو راجح یہی ہے کہ صدقۂ فطر دوبارہ ادا کیا جائے، تاکہ فرض یقینی طور پر ادا ہو جائے۔ اس لیے صدقۂ فطر دیتے وقت محض جذبات پر نہیں بل کہ استحقاق کی درست پہچان پر اعتماد کرنا چاہیے۔

نوٹ: ان دونوں طبقات، یعنی بیواؤں اور یتیموں، کے ساتھ ہمدردی، تعاون اور ان کا خیال رکھنا نہایت ضروری ہے، بل کہ ہمیشہ ان کی اعانت اور دل جوئی کرنی چاہیے۔ تاہم احتیاط کا تقاضا یہ ہے کہ **صدقۂ فطر انہی لوگوں کو دیا جائے جو واقعی شرعی مستحق ہوں**۔ البتہ ان کے ساتھ تعاون کے لیے **صدقۂ نافلہ** اور دیگر جائز ذرائع ہر وقت موجود ہے۔

سوال: کیا عید کی نماز کے بعد صدقۂ فطر ادا کرنے سے صدقۂ فطر ادا ہی نہیں ہوتا؟

جواب: اصل وجوب تو ادا ہو جاتا ہے، لیکن اس کی فضیلت اور مطلوب وقت فوت ہو جاتا ہے۔ حدیث میں آیا ہے کہ نماز سے پہلے ادا کیا جائے تو وہ "زکاۃٌ مقبولۃ" ہے، اور نماز کے بعد ادا کیا جائے تو وہ عام صدقات میں سے ایک صدقہ رہ جاتا ہے۔ اس لیے بلا عذر تاخیر نہیں کرنی چاہیے۔

سوال: کیا جو شخص زکات نہیں دیتا، اسے صدقۂ فطر بھی نہیں دینا چاہیے یا اس کا کوئی فائدہ نہیں؟
جواب: یہ سوچ بھی غلط ہے۔ زکات اور صدقۂ فطر دو الگ واجبات ہیں۔ اگر کوئی شخص زکات میں کوتاہی کا مرتکب ہے تو یہ اس کے لیے ایک الگ گناہ ہے، لیکن اس بنا پر صدقۂ فطر ساقط نہیں ہوگا۔ اسے دونوں کی ادائیگی کرنی ہوگی۔

سوال: کیا یتیم خانہ، مدرسہ یا مسجد میں دے دیا گیا صدقۂ فطر خود بخود درست ہو جاتا ہے؟
جواب: نہیں، اصل دیکھنا یہ ہے کہ مال آخرکار کس کے قبضے اور ملکیت میں جا رہا ہے۔ اگر کسی مستحق یتیم، مسکین یا فقیر کو مالک بنا دیا گیا تو درست ہے، ورنہ صرف ادارے کو دے دینے سے ادائیگی کا حکم ثابت نہیں ہوگا۔

اجتماعی طور پر صدقات جمع کرنا

یہ بھی ایک اہم مسئلہ ہے، اور ہمارے دینی و معاشرتی اضمحلال کی وجہ سے اس میں بعض خرابیاں پیدا ہو گئی ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ بعض لوگ امانت میں خیانت کرتے ہیں، اور مسلمانوں کی دی ہوئی رقم کو صحیح مصرف تک پہنچانے کے بجائے ہڑپ کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ لیکن اگر صدقات ایسے ذمہ دار، دیانت دار اور امانت دار ہاتھوں کے ذریعے جمع کیے جائیں **جو انہیں مکمل ایمانداری کے ساتھ مستحقین تک پہنچا سکتے ہوں**، تو اجتماعی طور پر صدقات جمع کرنا درست ہے۔

اس اجتماعی نظم کا ایک فائدہ یہ بھی ہے کہ مستحق کسی ایک فردِ واحد کی نظر اور ترجیح کا محتاج نہیں رہتا، بل کہ پورے علاقے یا برادری کی منظم اسلامی معاونت کے دائرے میں آ جاتا ہے۔

البتہ اگر اندیشہ ہو کہ تقسیم میں ناانصافی ہو سکتی ہے، یا کوئی واقعی مستحق شخص اجتماعی نظام کی نظروں سے اوجھل رہ جائے اور محروم رہ جائے، تو ایسی صورت میں **انفرادی طور پر صدقہ دینا زیادہ بہتر ہے**۔

تنبیہ: یہ بات اس صورت میں ہے جب **شرعی بیت المال** کا باقاعدہ نظام موجود نہ ہو۔ اور ہمارے ملک ہند میں، ہماری معلومات کے مطابق، ایسا کوئی حقیقی شرعی بیت المال موجود نہیں جو اپنے مکمل شرعی مفہوم کے ساتھ قائم ہو، جو ادارے اس نام سے موسوم ہیں، ان کی حیثیت زیادہ تر کمیونٹی اداروں کی سی ہے۔

تحقیق و تالیف: الشیخ عبد الماجد الکشمیری
25 رمضان المبارک 1447ھ
جامع مسجد